اجتہاد قرآن وحدیث کی روشنی میں

Ijtihad in the light of Quran and Hadith

Dr. Muhammad Naseer
Assistant Professor, Department of Islamic Studies & Arabic
Gomal University, D.I.Khan
Email: m.naseer7119@gmail.com

Dr. Muhammad Wajeeh-ud-Din Noman
Assistant Professor, Department of Islamic Studies & Arabic
Gomal University, D.I.Khan
Email: mwnouman@gu.edu.pk

Mr. Faseeh-ud-Din
M.Phil Scholar
Qurtuba University of Science & Information Technology, D.I.Khan
Email: faseehimran0@gmail.com

Abstract

Ijtihad is derived from effort and is based on the weight of iftaal. It means to try, but this word is not used for a slight effort, rather it means to try hard for something. According to the scholars of Islamic jurisprudence, ijtihad is the name of such an extreme effort of a jurist to find out the Shariah ruling that he is incapable of trying more than he thinks.

The greatest need of a Muslim is that he should know the commands of Allah Almighty in every matter, so that by acting accordingly, he can obtain the rewards of Allah Almighty and avoid the wrath of Allah Almighty. The aim and the focus of all the efforts of a believer is to live according to the will of Allah and His orders. As Allah Ta'ala says: Say, ``My prayer, my prayer, my life, and my death are for the Lord of the Worlds."

By the pleasure of Allah Ta'ala, His rulings are revealed and the main sources of these rulings are the Book of Allah (the Holy Qur'an) and the Sunnah of the Prophet (peace be upon him). When the Holy Qur'an and the Sunnah of the Prophet are silent on a matter, then using all mental and intellectual abilities to discover such a ruling in which the pleasure of Allah is present is called Ijtihad. It is evident from this that the Holy Qur'an and the Sunnah of the Prophet ﷺ are silent on a matter, then Ijtihad is the only means by which its deficiency can be fulfilled.

Keywords: Ijtihad, on the weight of iftaal, scholars of Islamic jurisprudence, Muslim, Allah Ta'ala, Worlds, Holy Qur'an, Sunnah of the Prophet

تعریف:

اجتہاد مشتق ہے جہد سے اور افتعال کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی کوشش کرنے کے ہیں لیکن یہ الفاظ معمولی کوشش کیلئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی کام کے لیے پوری کوشش کرنا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ علماء

اصول فقہ کے نزدیک اجتہاد حکم شرعی معلوم کرنے کیلئے کسی فقیہ کی ایسی انتہائی کوشش کا نام ہے کہ وہ اپنے خیال میں اس سے زیادہ کوشش کرنے سے عاجز ہو۔(1)

مقصد ضرورت:

ایک مسلمان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اسے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کا علم ہو تا کہ اس کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے انعامات حاصل کر سکے اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ سکے۔ ایک مومن کی ساری جدوجہد کا مقصود و محور یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (2)

ترجمہ: "کہہ دیجئے کہ بلا شبہ میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر اس کے احکام سے پتہ چلتا ہے اور ان احکام کے بنیادی ماخذ کتاب اللہ (قرآن کریم) اور سنت رسول ﷺ ہیں۔ جب کسی امر میں قرآن کریم اور سنت نبوی خاموش ہوں تو تمام تر ذہنی و فکری صلاحیتیں استعمال کر کے ایسا حکم دریافت کرنا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا موجود ہو ایسے حکم کی دریافت کا عمل اجتہاد کہلاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ کسی امر میں خاموش ہوں تو اجتہاد ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعہ اس کی کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

اجتہاد کی مشروعیت:

اجتہاد کی بنیاد قرآن کریم کی اس آیت پر رکھی گئی ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ-(3)

ترجمہ: "اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھادیں گے"۔

یہ آیت عمل اجتہاد کی وضاحت کرتی ہے۔ جو شخص اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اس امر کی سعی کرتا ہے کہ کسی خاص معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے اور وہ حکم شرعی دریافت کر لیتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا: اے معاذ! تم کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے ساتھ، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ

مسئلہ کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا میں سنت رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ سنت رسول ﷺ میں نہ پاؤ تو۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طریقۂ کار کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے۔ (4)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس اصول کی یوں وضاحت کی:

" آج کے روز سے تم میں سے جس شخص کو فیصلہ کرنے کی ضرورت آپڑے اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر وہ امر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ملے تو نبی کریم ﷺ کے فیصلوں کے موافق فیصلہ کرے اگر وہ امر نبی ﷺ کے فیصلوں میں بھی نہ ہو تو صالحین کے فیصلوں کے مطابق فیصلہ کرے۔ اگر وہ امر ایسا ہو جو نہ اللہ کی کتاب میں ملے نہ اس کے نبی ﷺ کے فیصلوں میں اور نہ صالحین کے فیصلوں میں تو اپنی عقل سے کام لے " اور یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں۔ لہذا جو امر شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور جو امر شک میں نہ ڈالے اسے قبول کرلے(5)"۔

اجتہاد کا مفہوم، وسعت اور ضرورت:

یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کی الہامی اور روحانی تعلیمات میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے، اس خاص مقصد کے لیے ایک ایسے قانونی سرچشمہ (Source) کا وجود ضروری تھا جس کی مختلف جہتوں سے ہدایت کی گہرائی تک پہنچا جائے اور اس گہرائی میں پہنچ کر نئے نئے روز مرہ مسائل جدیدہ کی نئی صورتوں کو سمیٹنے اور مضبوط کرنے میں مدد اور آسانی حاصل ہو تاکہ ہر زمانے میں اصلاح بشر کا سامان ہوتا رہے۔ ہدایت الٰہی نے اجتہاد کی اجازت دے کر اس اہم مقصد کی تکمیل فرمادی۔ اس طرح اجتہاد کو فقہ اسلامی میں کلیدی حیثیت حاصل ہوگئی۔

اجتہاد کے مفہوم کی وسعت کا اندازہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ کی تعریف سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے اجتہاد کی تعریف سے ہی یہ سمجھا جاتا ہے کہ اجتہاد اس سے عام ہے کہ انسان کی پوری محنت اس حکم کو معلوم کرنے میں صرف ہوئی جس میں علماء سلف کی گفتگو ہوگئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

مجتہد اس اجتہاد میں علماء سابق یا مخالف اور نیز اس سے عام ہے کہ یہ اجتہاد کسی کی اعانت سے ہوا ہو۔ مثلاً کسی نے مسائل کی صورتوں کو بتایا اور احکام کے مآخذ پر دلائل تفصیلہ سے اشارہ کر دیا ہو یا کسی کی اعانت سے نہ ہوا ہو۔ (6)

حضرت شاہ ولی اللہ نے اجتہاد کے مفہوم کے جس نکتہ کی وضاحت فرمائی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اجتہاد قرآن و سنت اور ادلہ شریعہ میں غور وخوض کر کے حل طلب مسائل کا شرعی حکم معلوم کرنے کا نام ہے۔ چاہے وہ اجتہاد علماء سابق کی آراء کے خلاف کیوں نہ ہو اور اس اجتہاد میں کسی سے مدد لی گئی ہو یا نہ ہو۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: "اجتہاد سے جس طرح حکم کا استنباط جائز ہے اسی طرح حدیث کو معلل سمجھ کر مقتضائے علت پر عمل کرنا جس کا حاصل احکام وضعیہ کی تعیین ہے مثل احکام تکلیفہ کے یا احد الوجوہ پر محمول کرنا یا مطلق کو مقید کر لینا اور ظاہر الفاظ پر عمل نہ کرنا حدیث کی مخالفت یا ترک نہیں اس لیے ایسا اجتہاد بھی جائز ہے۔(7)

اجتہاد کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے غلام محمد فوزی فیض اللہ فرماتے ہیں: "اور وہ احکام جن میں اجتہاد کیا جائے گا اور جو ارباب حل و عقد (مجتہدین) کے لئے محل تامل ہوں گے وہ احکام جنہیں ہم ظنیات سے تعبیر کرتے ہیں وہ احکام مندرجہ ذیل اقسام پر مشتمل ہیں۔

1۔ وہ احکام عملیہ جو منسوب ہوں ایسی دلیل کے ساتھ جو کہ ظنی الثبوت ہوں۔ جیسے اخبار آحاد۔

2۔ وہ احکام عملیہ جو ایسی دلیل کے ساتھ منسوب ہوں جو کہ **ظنی الدلالہ** ہوں پس ایسی دلیل بھی مواضع اجتہاد سے ہو گی(8)۔

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں اجتہاد کی وسعت واضح ہوتی ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اجتہاد امت کیلئے رحمت ہے جس کے وسیع دامن میں وہ تمام صورتیں اور زمانے کی ضروریات شامل ہیں جس میں احکام کے ذریعہ حکمت الٰہی (منافع کا حصول اور مضرت دفیعہ) مقصود ہو اور مختلف و متنوع احوال و اسباب کی بنا پر اس میں رکاوٹ حائل ہو۔

عہدِ رسالت مآب ﷺ اور اجتہاد:

عہدِ رسالت مآب ﷺ میں چونکہ قوانین کی تدوین و ترتیب کا تمام تر تعلق آپ ﷺ کی ذاتِ طیبہ سے وابستہ تھا اس لئے اجتہاد کا کام بھی تنہا آپ ﷺ کے سپرد تھا۔ ہدایت الٰہی کے اساسی اصول وحی مختلف طریقوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو بتا دیئے گئے۔ نیز کلی طور پر حکمت عملی سمجھا کر اس کے مزاج سے روشناس کرا دیا گیا تھا۔

وقتاً فوقتاً ہدایت الٰہی کی آمد کا سلسلہ بھی جاری تھا جس کی بناء پر نئی ضرورت پیش آنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے واضح ہدایت کے منتظر رہتے تھے۔ اسی دوران اگر واضح ہدایت کی روشنی نمودار ہو جاتی تو ذاتی اختیار کا سوال بھی نہ تھا۔ تاہم اگر صحیح ہدایت کی روشنی ظاہر نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس حکمتِ عملی اور مزاج کی رعایت سے اپنے بنیادی اصولوں کی روشنی میں آنے والے مسائل کا حکم صادر فرماتے۔ مثلاً یہ آیت:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ - وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا(9)

ترجمہ: "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی رضامندی سے تو اجازت ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں دو اصول بیان کئے گئے ہیں۔ ایک سلبی اور دوسرا ایجابی۔ پہلے میں کسی کا مال ناحق کھانے کی ممانعت ہے ور دوسرے میں حق کے ساتھ باہمی رضامندی سے اجازت ہے۔ اب ان دونوں اصولوں کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے مروجہ معاملات کا جائزہ لیا اور آپ ﷺ نے اس سب معاملات کو ناجائز قرر دیا، جس میں دھوکہ پایا جاتا تھا اور آخر میں ناحق مال کھانے کی شکل ملتی تھی۔ عرب میں خرید و فروخت کی مروجہ بہت سی شکلیں ان دونوں اصولوں کے تحت جائز یا ناجائز قرار پائیں اور کتب احادیث میں ایسی بہت سی ناجائز صورتوں کا ذکر آتا ہے جن میں دھوکہ، فریب، دوسروں کا مال ناحق کھانے کی شکلیں نکلتی تھیں۔ مثلاً خریدار اور بیچنے والا کسی چیز کا بھاؤ کرتے تھے اور دیکھتے اور معاملہ طے ہونے سے پہلے خریدار اس کو چھو لیتا یا بیچنے والا خریدار کی طرف پھینک دیتا یا خریدار اس پر کنکری رکھ دیتا ان سب صورتوں میں بیع مکمل ہو جاتی۔ ان تمام معاملات میں چونکہ فریقین کی رضا مندی موجود تھی اس بناء پر اُسے ایجابی اصول کے تحت آنا چاہیئے تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی تشریح و توضیح نے اس حقیقت کو واضح کیا کہ جس رضامندی میں دھوکہ و فریب کا خطرہ ہو اور خطرہ ظاہر ہونے کے بعد اس رضامندی کا نتیجہ ناحق مال کھانے کی شکل میں ظاہر ہو تو وہ سلبی اصول کے تحت آئے گا اور یہ وضاحت ہوئی کہ اصل حرمت و ممانعت کی علت ناحق مال کھانا ہے۔ یہ علت جتنے بھی معاملات میں پائی جائے گی وہ سب حرام اور ناجائز ہوں گے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے جزوی واقعات اور کلی واقعات سے مدد حاصل کر کے نئے قواعد وضع فرمائے اور ان سے جزئیات کو مستنبط کر کے دکھایا۔

علامہ ابن نجم حنفیؒ نے اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ذکر کیا ہے: "اسلام میں نہ نقصان پہنچانا ہے اور نہ نقصان اُٹھانا ہے۔ نقصان دور کیا جائے مشقت آسان کی جائے"۔(10)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے حضرت بنتِ ثعلبہ نے ظہار کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

"ما اراک الا قد حرمت علیه "(میری رائے یہ ہے کہ اس پر حرام کر دی گئی ہو)۔(11)

آنحضرت ﷺ کی رائے عرب کے مروجہ قانون کے مطابق درست تھی لیکن اس قانون میں اصلاح اور اضافہ کی ضرورت تھی اس بناء پر قرآن کریم کی وہ آیتیں جو ظہار سے متعلق تھیں، نازل ہوئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں کا مساوی درجہ دے تو وہ اس کے لیے ہمیشہ نہیں بلکہ اس وقت تک حرام ہے جب تک وہ کفارہ نہ دے ور کفارہ دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا یا طاقت نہ ہونے کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

مذکورہ بالا مثال میں حضرت خولہ بنت ثعلبہ نے جب ظہار سے متعلق سوال کیا تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں اپنے اجتہاد سے یہ فرماتے ہوئے آگاہ کیا کہ میرے رائے یہ ہے کہ تم اس پر حرام کر دی گئی ہو لیکن اس قانون میں اصلاح و اضافہ کی ضرورت تھی جو اسلام کا تقاضہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے۔ چنانچہ وحی الٰہی کی شکل میں درج ذیل آیات کا نزول ہوا:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ-اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ- وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا-وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ (12)

ترجمہ: "تم میں سے جو لوگ ظہار کریں گے (یعنی اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ مشابہت دیں) تو وہ ان کی مائیں نہ ہو جائیں گے۔ ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے ان کو جنا۔ وہ یہ کہہ کر نہایت بے ہودہ اور جھوٹی بات کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے"۔

اجتہاد کے تین اہم ادوار:

1۔ دور اول — صحابہ کرامؓ کا اجتہاد

2۔ دورِ ثانی — تابعین کا اجتہاد

3۔ دورِ ثالث — ائمہ مجتہدین کا اجتہاد

ان تینوں ادوار میں کئے جانے والے اجتہاد کی صراحت سے نہ صرف اجتہاد کے خدوخال نمایاں انداز میں واضح ہوں گے بلکہ عہدِ موجود میں اجتہاد سے متعلق ان مشکلات کا حل بھی دریافت کیا جا سکے گا جن کی وجہ سے دورِ حاضر میں اس کو ناقابلِ عمل قرار دے دیا گیا ہے۔

دوراول۔ صحابہ کا اجتہاد:

صحابہ کرامؓ نے حق اجتہاد کے باوجود مسائل حل کرنے میں نہایت محتاط رویہ اختیار کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ طرزِ عمل منقول ہے "حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کوئی تصفیہ طلب معاملہ جب پیش ہوتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں دیکھتے اگر اس میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔ اگر خود تلاش نہ کرپاتے تو لوگوں سے سوال کرتے کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں ایسا فیصلہ فرمادیا ہے اگر کسی طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی سنت نہ ملتی تو اہل علم رؤسا کو جمع کرکے ان سے مشورہ چاہتے۔ جب وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تو اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا بھی یہی طرزِ عمل تھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ اگر کتاب وسنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فیصلوں کی طرف رجوع فرماتے پھر دوسرے صحابہ کرامؓ سے مشورہ واجتہاد کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ اور دیگر جلیل القدر اصحابؓ کا بھی یہی طرز عمل منقول ہے کہ پہلے وہ کتاب وسنت میں حکم تلاش کرتے پھر وہ اپنے پیشروؤں کے فیصلوں میں دیکھتے اگر کہیں حکم نہ ملتا تو پھر خود اجتہاد کرتے۔

دورِ ثانی تابعین کا اجتہاد:

دورِ ثانی میں تابعین نے اجتہاد کے لیے اہم بنیادی امور انجام دیئے۔

1۔ حکومتی سطح پر رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو جمع کیا۔

2۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال وفتاویٰ اور ان کے اجتہادات کی شیرازہ بندی کی۔

3۔ ذوق اجتہاد کو علمی رنگ دیا۔

دورِ تابعین میں حکومتی سطح پر احادیث جمع کرنے کی طرف سب سے پہلے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے توجہ دی۔ مدینہ اور دیگر اطراف کے حاکم وکبار علماء کو اس سلسلے میں خطوط لکھے اور نہایت محنت وجانفشانی سے یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ احادیث جمع ہونے کے بعد فقہی احکام کا کافی ذخیرہ سامنے آگیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اجتہادات سب ہی موجود تھے جس سے تابعین کو دائرہ اجتہاد وسیع کرنے میں مدد ملی۔

دورِ ثالث ائمہ مجتہدین کا عہد:

اس عہد میں امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ جیسی ہستیوں کا ذکر ملتا ہے جنہوں نے اجتہاد کے کام کو آگے بڑھایا۔

عہدِ حاضر اور اجتہاد:

یہ امر مسلم ہے کہ نت نئے مسائل اور حادثات سے بھرپور عہدِ موجود کی دنیا میں آج تک کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں آیا اور نہ ہی اس کا پیش آنا ممکن ہے جو ائمہ اربعہ کے وضع کردہ اصول وضوابط سے خارج ہو کیونکہ ائمہ اربعہ کے قواعد ایسے جامع ہیں جن کے تحت قیامت تک پیدا ہونے والے تمام ممکنات کا حل موجود ہے۔ بلکہ صرف امام اعظم ابو حنیفہؒ کے وضع کردہ اصول و قواعد کے متعلق یہ دعویٰ مبنی بر حقیقت ہے کہ ان کے قواعد ایسے جامع ہیں جو ممکنات پر حاوی ہیں۔

محل اجتہاد:

ہر وہ مسئلہ جس کے بارے میں دلیل شرعی موجود نہ ہو، محل اجتہاد ہے۔ چنانچہ جس معاملے میں قرآن و سنت سے دلیل موجود ہو اس میں اجتہاد نہیں ہو گا۔ حکم شرعی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس معاملے میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہے یعنی اگر اس معاملے میں قرآن کریم کی کوئی آیت یا رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد گرامی موجود ہے جس سے اس رضا کا پتہ چل سکتا ہے تو گویا حکم شرعی کی دلیل موجود ہے۔ اگر ایسا نہیں تو اجتہاد کے مختلف طریقوں میں مثلاً قیاس، استحسان، استصلاح وغیرہ سے بھرپور سعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کی جاتی ہے۔

اجتہادی رائے کی حیثیت:

اجتہادی رائے ظن غالب کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی مجتہد کے ظنِ غالب کی حد تک اس کی رائے حکم صواب کا درجہ رکھتی ہے۔ اس امر کا احتمال ہے کہ مجتہد خطا کر جائے۔ صواب سے مراد نفس الامر کی موافقت اور خطاء سے مراد نفس الامر کی مخالفت ہے۔

اہل سنت (جو حقیقتاً نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہو یعنی وہ کام جو نبی ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے کیے) کے نزدیک ہر واقع کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ایک معین حکم ہے اور مجتہد دلیل ظنی کے ذریعے اس معین حکم تک پہنچ جائے تو اسے مجتہد مصیب کہیں گے۔ اس صورت میں اس کے لیے دو اجر ہیں یعنی اجر اجتہاد اور اجرِ اصابت اور اگر خطاء کرے اور اپنی پوری سعی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے معین حکم کو اخذ نہ کر سکے تو اس کیلئے ایک اجر ہو گا یعنی اجرِ اجتہاد۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

"اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد و اخطاء فله اجر"۔(13)

ترجمہ: "جب کوئی فیصلہ کرے اور اجتہاد میں مصیب ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر حکم میں غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر"۔

مجتہد کیلئے واجب ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے اور اگر وہ اجتہاد کے ذریعے حکم شرعی معلوم کرے لیکن کسی اور مجتہد کی تقلید کرتے ہوئے اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرے تو اس کا یہ تقلیدی عمل حرام تصور ہو گا۔ کیونکہ اجتہاد کے ذریعے رضائے الٰہی (حکم شرعی) معلوم کر چکنے کے بعد وہ کسی دوسرے حکم پر عمل کرے تو رضائے الٰہی کے خلاف عمل ہو گا۔

اجتہاد کا طریقہ کار:

جب کسی معاملہ کے بارے میں حکم شرعی کتاب و سنت میں نہ ملے تو درجہ بدرجہ مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کی جائیں گی:

1۔ سب سے پہلے قرآن و سنت کے احکام کی نظیر پر قیاس کیا جائے گا یعنی قرآن یا سنت میں موجود کسی حکم کی علت کو مدار بنا کر پیش آمدہ مسئلے میں بھی وہی حکم لگایا جائے گا۔

2۔ اگر قیاس کے ذریعے پیش آمدہ معاملہ میں حکم شرعی نہ مل سکے تو استدلال سے کام لیا جائے گا۔ استدلال سے مراد دلیل کی تلاش ہے۔ استدلال کے ذرائع حسبِ ذیل ہیں:

(الف) استحسان

(ب) استصلاح

(ج) استقراء

(د) استصحاب

3۔ اگر قیاس خفی کے ذریعے دلیل مل سکتی ہے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

4۔ اگر مصلحت کو بنیاد بنا کر مسئلہ کا استنباط ہو سکتا ہے تو کسی شرعی مصلحت کی بناء پر حکم لگایا جائے گا۔ اسے استصلاح کہتے ہیں۔

5۔ اگر جزئیات سے پیش آمدہ مسئلہ میں اثبات حکم ممکن ہو تو استقراء سے کام لیا جائے گا۔ کسی کلی جزئیات کا تتبع کرنا ہوتا کہ جزئیات کا حکم کلی پر لگایا جائے، استقراء کہلاتا ہے۔ یعنی نزاعی صورت کے سوا سارے جزئیات کا تتبع کر لیا جائے تو اکثر کے نزدیک وہ نزاعی صورت میں اثبات حکم کے لیے قطعی ہے۔

6۔ اگر پیش آمدہ مسئلے میں قرآن و سنت سے کوئی بھی نہ ملے اور نہ ہی قرآن و سنت کے کسی حکم کے نظیر پر مسئلہ منطبق ہو سکے یہاں تک کہ استحسان، استصلاح اور استقراء کے طریقون پر بھی دلیل نہ مل سکے تو انتفاء کی صورت پائی جائے گی۔ حکم کی دلیل نہ پائے جانے سے حکم کا نہ پایا جانا انتفاء کہلاتا ہے۔ شوافع اس

کے قائل ہیں، احناف عدم وجدانِ دلیل کو دلیل عدم نہیں سمجھتے۔ انتفاء کی صورت میں استصحاب پر عمل کیاجائے گا۔

استصحاب ایک ایسی دلیل ہے جو اس وقت کام آتی ہے جب کوئی اور دلیل موجود نہ ہو، استصحاب کے معنی باقی رکھنے کے ہیں۔ اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے وجود اور عدم وجود کو باقی رکھاجائے۔

مندرجہ بالا طریق پر اجتہاد کے ذریعے جب حکم شرعی دریافت کر لیاجائے گاتو اسے رضائے الٰہی تصور کیا جاسکتاہے اور اجتہاد سے یہی مطلوب ومقصود ہے۔

اجتہاد کی بنیاد ضرورت ہے:

اجتہاد کا دائرہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں سے کتاب وسنت کے دائروں کی حد ختم ہوتی ہے یعنی جب کوئی کتاب وسنت سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو اجتہاد سے کام لیاجاتا ہے اور یہ صورت بھی اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب حکم شرعی معلوم کرنے کی ضرورت شدید ہو۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں:

"نحن لا نقيس الا عند الضرورة الشيديدة"۔(14)

ترجمہ: "ہم صرف شدید ضرورت کے موقع پر قیاس سے کام لیتے ہیں"۔

حوالہ جات

1. ملّاجیون، شیخ احمد صدیقی، نور الانوار مع شرح قمر الاقمار، لاہور، مطبع علیمی، سن 1371ھ، سن 1952ء، ص12
2. الانعام:162:6
3. العنکبوت:69:29
4. امام ترمذیؒ، جامع ترمذی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی، س۔ن، ابواب الاحکام، ص605
5. امام نسائیؒ، سنن نسائی، کراچی، قرآن محل، س۔ن، باب الحکم، ص364، ج3
6. شاہ ولی اللہ، عقد الجید، لاہور، الفیصل پبلشرز، سن 1982ء، ص65
7. تھانویؒ، مولانا اشرف علی، الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، کراچی، دار الاشاعت، اُردو بازار، سن 1998، ص23
8. غلام محمد فوزی فیض اللہ، الاجتہاد فی شریعہ اسلامیہ، دمشق المکتبہ اسلامیہ، س۔ن، ص53
9. النساء:29:4
10. علامہ ابن نجم حنفیؒ، الاشباہ والنظائر، دمشق بیروت، المکتبۃ الاسلامیہ سن 1983، ص92

11. امام نسائیؒ، سنن نسائی، کراچی، ایچ ایم سعید، باب الحکم، ص273،ج2
12. المجادلہ:2:58
13. محمد اسماعیل البخاریؒ، صحیح البخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، س۔ن، جلد3، ص837، باب الاعتصام بالکتاب والسنہ
14. ڈاکٹر مظہر بقا، اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، س۔ن، ص92